© rasailojaraid.com

اسلامی تمدّن

مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

لغت سے قطع نظر جب ہم لفظ "تمدن" بولتے ہیں تو اس سے زندگی کے وہ تمام شعبے مراد ہوتے ہیں جو دنیوی حیات و بقا کے لئے ضروری ہیں اور اس لئے کھانے پینے، پہننے اور رہنے سہنے کے مخصوص طریقوں پر بھی تمدن کا اطلاق ہوتا ہے۔

جب کوئی شخص کہتا ہے کہ فلاں قوم کا "یہ تمدن" ہے تو اس کی مراد یہی ہوتی ہے کہ اکل و شرب میں لباس میں اور بود و ماند میں اس کا یہ خاص طریقۂ زندگی ہے۔ ملک اور قوم کے نام پر تو دنیا میں تمدن کا ہمیشہ چرچا رہا ہے اور تاریخہائے قدیم و جدید اس ذکر سے پُر ہیں۔ ہم آپس میں بھی یہ کہتے رہتے ہیں کہ یہ یورپین تمدن ہے اور یہ ایشیائی تمدن اور ایشیا میں بھی یہ ہندوستان کا تمدن ہے اور یہ ایران کا یہ چینی تمدن ہے اور یہ جاپانی۔

تو کیا مذہب کے نام پر بھی کسی تمدن کو منسوب کیا جا سکتا ہے اور کیا کسی مذہب نے مذہبی نقطۂ نظر سے کسی ایسے تمدن کی تعلیم دی ہے جو ملک، وطن اور قوم کی خصوصیات و امتیازات کے باوجود مختلف ممالک و اقوام کے لئے یکسانیت رکھتا اور اس سلسلہ میں مساوات کی دعوت دیتا ہو؟

معلوم نہیں کہ اور مذاہب و ملل اس کا کیا جواب دیں لیکن اسلام کا بے شبہ یہ دعویٰ ہے کہ وہ ایک ایسے ہمہ گیر مساوی تمدن کا حامل ہے جو اقوام و امم اور ممالک و اوطان کے خصوصی امتیازات سے بالاتر ہو کر سب کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے اور حقائق سے منکر ہو کر ملکوں کی موسمی اور جغرافی خصوصیات و امتیازات کی بالکل پرواہ نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے تمدن کی دعوت دیتا ہے جس کی پابندی کے باوجود ہر اہلِ ملک اپنے طبعی، جغرافی، موسمی اور ملکی تغیرات و خصوصیات کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے اور یہی اس ہمہ گیر تمدن کی خوبی اور برتری ہے کہ وہ اپنی قیود و حدود میں پابند انسان کو فطری ماحول کے خلاف مجبور بھی نہیں کرتا اور مختلف ممالک کی اقوام و امم کو ایک رشتۂ تمدن میں بھی منسلک کر دیتا ہے۔

اسلام کے اس نظریہ کی تشریح و تفصیل کیا ہے؟ یہی آج کی صحبت میں ہمارا موضوعِ بحث ہے۔

گذشتہ سطور میں تمدن کے مفہوم سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے پیشِ نظر "اسلامی تمدن" کی تشریح و توضیح میں بھی اس کو حسب ذیل شعبوں میں تقسیم کر کے جدا جدا ہر ایک شعبہ پر بحث کرنا مناسب ہوگا۔

(۱) اسلامی نقطۂ نظر سے تمدن کی اساس اور اس کے متعلق عام اصول و احکام۔

(۲) اکل و شرب (۳) لباس۔ (۴) وضع قطع۔ (۵) بود و ماند۔

تمدنِ اسلامی کی اساس

اسلامی معاشرت اور تمدن کی اصل یا اس کی اساس صرف ایک قانونی دفعہ پر قائم ہے اور وہ یہ کہ مسلمان کے شعبہ ہائے حیات میں ایسا کوئی عمل نہیں پایا جانا چاہئے جو دوسرے کسی مذہب کے امتیازی نشانات میں شمار ہوتا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے، پہننے، شکل و صورت اور بود و ماند میں ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے جو غیر مسلم اقوام و امم کے مذہبی امتیازات یا نشانات کے لئے مخصوص ہو اور یہ کہا جا سکے کہ ایک مسلم نے "غیر مسلم شعار" کو اختیار کر لیا۔

کافر و مشرک گروہ کی مذہبی زندگی میں صرف اعتقادات شرک و کفر ہی وجہِ امتیاز و تخصیص نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے مخصوص معتقدات کے اثرات اور مقتدایانِ مذہب کی عائد کردہ پابندیوں سے پیدا شدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسم ورواج کی بنا پر زندگی کے ہر شعبہ میں بعض ایسی خصوصیات وامتیازات رکھتا ہے جو اس کے جاہلی اعتقادات ومشرکانہ زندگی کے لئے وجہ امتیاز بن کر کفر وشرک کی زندگی کے لوازم بنجاتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اگر ایک شخص مذہب اور مذہبی احکام سے ناآشنا بھی ہو تب بھی جب وہ کسی شخص کو ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو استعمال کرتا دیکھتا ہے تو فوراً یہ کہہ اٹھتا ہے کہ یہ فلاں جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔

غرض یہودی ہو یا نصرانی، مجوسی ہو یا مشرک، ان کے شعبہ ہائے حیات کا کوئی بھی طریق کار اگر اُن کی معاشرت کا ایسا جزو بن گیا ہے کہ ان کے مذہبی یا قومی نشان وامتیاز کی حیثیت اختیار کر چکا ہے تو اسلامی تمدن کی سب سے پہلی اساس یہ ہے کہ "مسلم" کے لئے وہ طریقِ کار قطعاً غیر اسلامی ہے اور فقہ اسلامی اس کیلئے "حرام" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

چنانچہ قرآنِ عزیز کی یہ آیات اسی اساس واصل کا پتہ دیتی ہیں۔

ومن یشاقق الرسول من بعد	اور جس شخص پر ہدایت کی راہ واضح ہو جائے اور اس
ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر	پر بھی وہ اللہ کے رسول سے مخالفت کرے اور مومنوں
سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ	کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے لگے تو ہم اسے اسی
ونصلہ جھنم وساءت	طرف کو لیجائینگے جس طرف جانا اُسنے پسند کر لیا اور اُسے
مصیرا۔ (نساء)	دوزخ میں پہنچائیں گے اور یہ پہنچنے کی کیا ہی بری جگہ ہے"
ولئن اتبعت اھواءھم من بعد	"اور اگر تو اُن (اہل کتاب) کی خواہشوں پر چلا اُس علم
ما جاءک من العلم انک اذا	کے بعد جو تجھ کو پہنچ گیا ہے تو بیشک تو بھی ظلم
لمن الظالمین ہ (بقرہ)	کرنے والوں میں ہوگا۔

ان آیات کے جملے "غیر سبیل المومنین" اور "اتبعت اھواءھم" میں اسی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ایسا کوئی طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے جو "غیر مسلموں کا طریق" کہلایا جاسکے اور اس کو "مسلم طریق"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی طرح نہ کہہ سکیں اور یہ صورت اسی وقت بنے گی جب وہ طریق کار غیر اسلامی شعار وامتیاز کی حیثیت اختیار کرلے نیز یہ کہ کفار ومشرکین کی خواہشات کی پیروی ہرگز نہیں ہونی چاہیئے اور ایسا کرنا خدا کے تعلق کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا اطلاق اعتقادات کے ماسوا اُن تمام طریقوں پر کیا جائیگا جو رسوم وشعائر جاہلیت وکفر سے وابستہ ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات ہیں جن کے مفہوم کی وسعت کے پیش نظر مسطورۂ ذیل احادیث کو ان کی تفسیر وتشریح کہا جاسکتا ہے۔

عن ابن عمرؓ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقومٍ فہو منہ۔ [۱]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی دوسری قوم کے ساتھ مشابہت کرلی تو وہ اسی قوم میں سے ہے۔
عن عمرو بن شعیب عن جدہ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیس منا من تشبہ بغیرنا۔ [۲]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے ہم مسلمانوں کے علاوہ دوسروں کے ساتھ مشابہت کرلی۔

یعنی ایک شخص مسلمان ہونے کے باوجود "زنار۔ جنیو" پہنتا ہے یا "صلیب" گلے میں لٹکاتا ہے یا عود کو سوت یا ریشم کی رسی میں باندھ کر کمر پر پٹکے کی طرح باندھتا ہے تو بے شبہ یہ شخص بالترتیب مشرکین یا نصاریٰ یا مجوس کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے اور اس کے لئے شریعت اسلامی کا یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ ہم میں (اہل اسلام میں) سے نہیں ہے۔

یا مثلاً ایک شخص اسلامی اعتقادات پر ایمان کلی رکھتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے تاہم سر پر ہندوؤں کی طرح چوٹی رکھتا، چوکا لیپ کر کھانا کھاتا، مسلمانوں کے ہاتھ چھوئی چیز کو ناپاک سمجھکر اس کو

---

[۱] ابوداؤد۔ معجم اوسط للطبرانی۔ [۲] ترمذی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال نہیں کرتا، یا عیسائیوں کی طرح گھر میں برکت کے لئے صلیب کے نشان بناتا، پادریوں کے سامنے کنفیشن (اظہارِ گناہ برائے توبہ) کرتا ہے یا پارسیوں کی طرح آگ کے ساتھ تقدس کا معاملہ کرتا ہے تو دعویٰ اسلام کے باوجود وہ مسطورہ بالا آیات واحادیث کا مصداق ہے اور اس کو یہی کہا جائیگا کہ " لیس منا یہ ہم میں سے نہیں ہے۔

غرض ان آیات واحادیث میں اس اتباع اور تشابہ کی سخت ممانعت کی گئی ہے جو مسلمانوں کے خلاف دوسری قوموں کے مذہبی شعار یا قومی شعار بن چکے ہوں یعنی وہ ایسے رسوم وشعائر ہیں جن کو اس لئے کیا جاتا ہے کہ دوسروں کو یہ تعارف رہے کہ یہ ہندو ہے یہ نصرانی ہے یہ یہودی ہے یا یہ مجوسی ہے۔ مثلاً ہولی میں رنگ کھیلنا اور ہندوؤں کے ساتھ ہولی کھیلنا، کرسمس میں نصاریٰ کی رسوم اور نوروز میں مجوس کی مشرکانہ رسوم ادا کرنا۔

یہ بھی واضح رہے کہ مشرکین، مجوس اور اہلِ کتاب کے تشبہ اور اتباع کی ممانعت سے متعلق ان آیات کا اطلاق اگرچہ بعض ایسے اعمال پر بھی ہوتا ہے جو متذکرہ بالا اقسامِ تشبہ میں داخل نہیں ہیں مگر وہ اطلاق آیات واحادیث کے عموم کے پیش نظر ہرگز نہیں ہوتا بلکہ اُن خصوصی اور جزئی احکام کے تحت میں ہوتا ہے جو ان خصوصی امور کے متعلق شارع کی جانب سے وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً ڈاڑھی منڈانے یا مونچھوں کو دراز کر کے بلند کرنے پر شریعتِ اسلامی نے جو ممانعت کی ہے وہ آیات اور احادیث زیر بحث کے عموم کے پیشِ نظر نہیں کی بلکہ اس لئے کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ خاص میں نصوص وارد ہوئی ہیں ورنہ اگر صرف آیات واحادیث زیر بحث کا عموم اس کے لئے کافی ہوتا تو آج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا کیونکہ ایک طرف اگر یہ عمل مشرکین، نصاریٰ اور مجوس میں عمومی حیثیت سے پایا جاتا ہے تو دوسری جانب ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھوں کا محو کرنا یا پست کرنا یہودیوں اور عیسائی پادریوں کا خاص شعار بن گیا ہے تو اب ایک شخص اگر ڈاڑھی منڈاتا ہے تو اس کے سامنے ہم حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"من تشبہ بقوم" پڑھکر اس کے اس عمل پر نکیر کریں گے اور اگر وہی شخص چند روز کے بعد داڑھی بڑھا کر سامنے آتا ہے تب بھی ہم کو یہود کے عمل کو سامنے رکھکر یہی حدیث "من تشبہ بقوم" پڑھنا اور اس کے اس عمل پر نکیر کرنا چاہئے اس لئے کہ اگر پہلا عمل مجوس، مشرکین اور عام نصاریٰ کا قومی شعار بن گیا ہے تو دوسرا عمل یہودیوں اور عیسائی پادریوں کا شعار بن چکا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام نے اصولِ فقہ میں تصریح کی ہے کہ کسی نص کے عموم پر عام طریقہ سے حکم لگانا صحیح نہیں ہے بلکہ فقہاء کا فرض ہے کہ وہ جس شے پر حکم لگانا چاہتے ہیں پہلے یہ دیکھ لیں کہ شارع کی جانب سے اس کے متعلق خاص اور جزئی کوئی حکم تو موجود نہیں ہے اگر ہے تو پھر اس شے پر اس خاص نص کے ماتحت حکم دینا چاہئے، نہ کہ عام نص کے عموم کے ماتحت۔ ہاں اگر اثباتاً و نفیاً اس کے متعلق کوئی خاص حکم موجود نہ ہو تو پھر مجتہد اور فقیہ کے اجتہاد کو دخل ہوگا کہ وہ اس خاص مسئلہ کو عام نص کی جزئی سمجھتا ہے یا نہیں۔

لہٰذا ریش و بروت کے مسئلہ میں "من تشبہ بقوم" کے عموم کو پیش کرنے کی بجائے ان احادیثی نصوص کو پیش کیا جائیگا جو نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص مسئلہ میں ارشاد فرمائے ہیں۔

البتہ جن امور کے متعلق ہم نے تصریح کی ہے وہ بے شبہ کسی خاص نص کے وارد ہونے کے محتاج نہیں ہیں اور ممانعت تشبہ کے تحت میں نصوص کے عموم کے ماتحت داخل ہیں اس لئے کہ یہ وہ امور ہیں جو تشبہ بالغیر کے لحاظ سے مذہبی شعائر اور ملّی رسوم و عوائد میں شمار ہوتے ہیں اور غیروں کی نظروں اور خود مسلمانوں کی نگاہوں میں "مسلم" اور غیر مسلم کا امتیاز پیدا کرتے ہیں۔

"اسلامی تمدن" کی یہ اساس درحقیقت مسئلہ کا منفی پہلو ہے مگر بہت اہم اور بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسئلہ زیر بحث کا مثبت پہلو کیا ہے؟ اور وہ کس طرح تمدنِ اسلامی کے لئے اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے؟ یہ بات تنقیح طلب ہے اور چند ابتدائی مقدمات پر مبنی ہے۔

(الف) قرآنِ عزیز، حدیثِ رسول اور اجماعِ امت نے عملی زندگی کے شعبوں میں سے کسی شعبہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق اگر بصراحت کوئی حکم دیا ہے تو وہ تمدنِ اسلامی میں شامل ہے۔ اور صراحت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، یا عمل اور اپنی موجودگی میں صحابہ کے قول و عمل پر سکوت، یہ تینوں باتیں داخل ہیں۔

(ب) یہ "حکم" اپنے فقہی درجات کے اعتبار سے "فرض و واجب" ہے یا "سنت" یا "مستحب" یا "مباح" تو اس کو تمدنِ اسلامی میں وہی حیثیت دی جائے گی جو جمہور یا اکثر مجتہدین و فقہاءِ امت کے مسلک سے مطابقت رکھتی ہو کیونکہ "تمدن اسلامی" اور "مسلم کلچر" تمام مسلمانوں کی متحدہ امانت ہے لہٰذا اس میں اس وسعت کو تسلیم کرنا چاہئے ورنہ کسی بھی شے کو "مختلف فیہ مسائل" کی حیثیت میں لے آنے کے بعد اس کے متعلق "اسلامی تمدن" میں شمولیت کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ "اسلامی تمدن" اور "مسلم کلچر" کی تعیین و تحدید جب ہی ممکن ہے کہ وہ حنفی تمدن، شافعی تمدن، مالکی تمدن، حنبلی تمدن اور اہلحدیث تمدن میں منقسم نہ ہو بلکہ اپنے وجود میں صرف "اسلامی تمدن" کہلاتا ہو۔ اور اس کے لئے صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ جمہور یا اکثر مجتہدین و فقہاء کا مسلم ہو اور دوسری جانب یا سرے سے کوئی رائے مخالف ہی نہ ہو اور یا شاذ اقوال ہوں۔

جمہور اور اکثر فقہاء و مجتہدین کے قول کو شاذ اقوال پر ترجیح دینے کے اس مسئلہ کو تجدد پسندی کے اس دور میں یورپین قوانین کے طرز رائے شماری کی تقلید کے پیشِ نظر نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس اسلامی طرزِ فیصلہ کے مطابق تسلیم کرنا چاہئے جس کو سامنے رکھکر فقہاءِ امت اور علماءِ ملت جگہ جگہ مسائل کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہیں۔ "وعلیہ الاکثر" "وعلیہ الجمہور" یعنی اکثر فقہاء یا جمہور فقہا اور علماء کی رائے یہی ہے اور کتبِ فقہ میں کثرت سے مذکور ہے "لان رائی الاکثر و علیہ الفتویٰ" "وعلیہ الفتویٰ لان رائی الجمہور" یعنی اکثر کی رائے اسی جانب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اس لئے کہ جمہور کی رائے اسی جانب ہے۔

(ج) جس شے کے متعلق نص نے "امر" کیا ہے وہ اگر فقہاءِ امت کے نزدیک "سنت" میں داخل ہے تو اس جگہ "سنت سنیہ" مراد ہوگی "سنت عادیہ" نہیں مراد لی جائیگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اجمال کی شرح شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "سنتِ رسول" (یعنی وہ عمل جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا طریقہ کار بنایا ہو) کی دو صورتیں ہیں، اگر آپ نے اس عمل کو خود بھی کیا اور دوسروں کو بھی اس کے کرنے کی ترغیب دی یا صحابہؓ نے اس کو آپ کے سامنے اس پابندی کے ساتھ کیا کہ گویا وہ شریعت کا فیصلہ ہے اور آپ نے ان کے اس طرز پر سکوت فرمایا تو یہ عمل شریعت اسلامی کی اصطلاح میں "سنت سنیہ" کہلائیگا اور اگر وہ زندگی کے ان شعبوں سے متعلق ہے جن پر تمدن کا لفظ حاوی ہے تو بے شبہ اُس کو تمدنِ اسلامی میں شرعی حیثیت حاصل ہوگی۔

اور اگر آپ کا وہ عمل محض اتفاقی ہے یا ذاتی تقاضائے طبیعت سے ہے یا ان عادات و رسوم میں سے ہے جو عربی نژاد ہونے کی وجہ سے آپ سے عمل میں آتی تھیں اور ان کو آپ ناپسند نہیں فرماتے تھے تو اس قسم کے اعمال "سنتِ عادیہ" میں داخل ہیں اور یہ فقہی اعتبار سے مذہبی احکام میں داخل نہیں ہیں البتہ اگر کوئی شخص عشقِ رسول میں سرشار ان کو بھی اپنی زندگی میں داخل کرلیتا ہے تو عشق و محبت کا یہ معاملہ فقہی احکام سے جدا ہے۔ مثلاً کتب احادیث میں صحیح روایات سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکاریوں میں کدو بہت محبوب تھا اور لباس میں "سپید لباس" اور یمنی چادر مرغوب تھے یا آپ نے عمر مبارک کے بیشتر حصہ میں عرب کے رسم و رواج کے مطابق تہ بند باندھا ہے تو یہ امور سنت عادیہ کہلائیں گے ان کو "سنتِ سَنیہ" نہیں کہا جائیگا۔

(د) قرآنِ عزیز، حدیثِ رسول اور اجماعِ امت نے اگر کسی چیز کے متعلق "نہی" فرمائی ہے اور وہ تمدن کے شعبوں میں سے کسی شعبہ سے متعلق ہے تو وہ تمدنِ اسلامی سے خارج کردی جائے گی بلکہ اس کے مخالف تمدن میں شمار ہوگی۔ اور اس ممانعت میں بھی فقہی درجات حرمت و کراہت کے پیشِ نظر اس کی حیثیت میں فرق تسلیم کیا جائیگا۔

(ہ) اگر کسی تمدنی شے میں تشبہ یا عدم تشبہ کے اطلاق کا سوال پیدا ہو جائے تو اگر اُس شے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق کوئی خاص نص موجود ہے تو اس نصِ خاص کو حکم کے لئے دلیل بنایا جائے گا۔ "مَن تَشبّہ بقومٍ" کے عموم سے استدلال درست نہ ہوگا مگر اس حد تک جو نصِ خاص کے شمول میں آجاتا ہو۔

(و) تمدن کے مسائل میں شریعت کی جانب سے جواز و عدم جواز کی دو شکلیں ہیں بعض چیزیں وہ ہیں جن کے جواز و عدم جواز کو استقلال حاصل ہے اور ان کا اختیار و ترک بذاتہٖ مقصود ہے اور بعض اشیاء وہ ہیں جن کے امر و نہی کا مدار خارجی اسباب پر رکھا گیا ہے لہٰذا جن عوارض کی بنا پر وہ حکم صادر ہوا ہے اگر وہ عوارض مفقود ہو جائیں تو اس وقت وہ حکم بھی باقی نہیں رہیگا۔

مثلاً بخاری و مسلم کی صحیح احادیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کے ابتدائی دور میں چند اُن ظروف کے استعمال کی سخت ممانعت فرمادی تھی جو شراب کی محفلوں میں ضروریاتِ شراب میں سے سمجھے جاتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب لوگوں کے دلوں میں شراب کی حرمت جاگزیں ہوگئی تو آپ نے ان ظروف کے استعمال کی اجازت دیدی لہٰذا آج بھی اگر کوئی شخص موجودہ زمانہ کی کسی مجلسِ شراب کے ظروف کو شربت اور دودھ وغیرہ کے لئے استعمال کرے تو ایسے ظروف کے استعمال کو ممنوع نہیں کہا جائے گا اور ان کا استعمال تمدنِ اسلامی کے خلاف نہیں سمجھا جائیگا

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com